URDO - 216

شریعت کے مقرر کردہ

فطری حقوق

تالیف

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

اردو ترجمہ

ابو المکرم عبد الجلیل

Co-operative office for Call & foreigners Guidance at

The Co-operative Office for Call & foreigners Guidance at Sulta
Under the supervision of Ministry of Islamic Affairs and Endowment and Propagation and Gui
Tel. 4240077 Fax 4251005 P.O.Box 92675 Riyadh 11663 E-mail : Sultanah22@hotmai

شریعت کے مقرر کردہ

فطری حقوق

تالیف

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

اردو ترجمہ

ابوالمکرّم عبدالجلیل

نظر ثانی

محمد اقبال عبدالعزیز - محمد طاہر محمد حنیف

طباعت واشاعت

دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد سلطانہ

فون ۴۲۴۰۰۷۷ پوسٹ بکس ۹۲۶۷۵ ریاض ۱۱۶۶۳

سویدی روڈ- مملکت سعودی عرب

حقوق الطبع محفوظة

الطبعة الأولى

١٤٢٤هـ - ٢٠٠٣م

ح المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد بسلطانة ، ١٤٢٤هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

العثيمين ، محمد بن صالح

حقوق دعت إليها الفطرة وقررتها الشريعة .- محمد بن صالح العثيمين ؛ أبو المكرم عبدالجليل .- الرياض ، ١٤٢٤هـ

٨٠ ص ؛ ١٢ × ١٧ سم

ردمك : ٥ - ١٨ - ٨٧١ - ٩٩٦٠

(النص باللغة الأردية)

١- الأخلاق الإسلامية

أ- عبدالجليل ، أبو المكرم (مترجم) ب- العنوان

ديوي ٢١٢ ٢٩٦٥/ ١٤٢٤

رقم الايداع ٢٩٦٥/ ١٤٢٤

ردمك : ٥ - ١٨ - ٨٧١ - ٩٩٦٠

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد:

زیر نظر کتاب شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی عربی تالیف (حقوق دعت إليها الفطرة وقررتها الشريعة) کا اردو ترجمہ ہے جسے میں نے دفتر دعوت وارشاد سلطانہ، ریاض کی طلب پر اردو میں منتقل کیا ہے۔

شیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ ۲۷ رمضان ۱۳۴۷ھ میں سعودی عرب کے معروف شہر عنیزہ میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، اپنے نانا شیخ عبدالرحمٰن آل دامغ رحمہ اللہ سے قرآن کریم پڑھا، پھر عنیزہ کے ایک مدرسہ میں داخلہ لیا اور کم عمری ہی میں قرآن کا حفظ مکمل کر لیا اور حدیث وفقہ کی مختصر کتابیں یاد کر لیں، اس کے بعد عنیزہ کی جامع مسجد میں علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر آپ سے تفسیر، حدیث، توحید، فقہ، اصول فقہ،

فرائض اور نحو کا علم حاصل کیا، شیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ کے عنیزہ میں قیام کے دوران آپ نے ان سے بھی علم نحو اور بلاغت کی تعلیم حاصل کی۔

جب ریاض میں معہد علمی کا قیام میں آیا تو آپ نے اپنے استاذ شیخ عبدالرحمٰن سعدی سے اجازت لیکر ۱۳۷۲ھ میں اس میں داخلہ لیا اور دو سال تک باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ ریاض میں قیام کے دوران علامہ شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ سے مسجد میں صحیح بخاری اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی متعدد کتابیں پڑھیں۔

معہد علمی سے فراغت کے بعد آپ نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض سے پرائیویٹ طور پر بی اے کی سند حاصل کی۔

آپ نے اپنے استاذ شیخ سعدی کی زندگی ہی میں عنیزہ کی جامع مسجد میں پڑھانا شروع کر دیا تھا، لیکن معہد علمی ریاض سے فراغت کے بعد ۱۳۷۴ھ میں باقاعدہ طور پر آپ کو معہد علمی عنیزہ میں مدرس مقرر کیا گیا، پھر ۱۳۷۶ھ میں شیخ سعدی کے انتقال کے بعد عنیزہ کی جامع مسجد کی امامت و خطابت کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپ دی گئی، اس کے بعد ۱۳۹۸ھ میں امام محمد بن

سعود اسلامک یونیورسٹی کی القصیم برانچ کے کلیۃ الشریعہ (شریعت کالج) میں استاذ مقرر ہوئے اور تاحیات اس میں پڑھاتے اور طلبہ کو مستفید فرماتے رہے، کلیۃ الشریعہ اور جامع مسجد کے باہر بھی آپ کے دروس و محاضرات کا ایک وسیع سلسلہ تھا۔

اس کے علاوہ آپ مختلف اداروں کے سرپرست یا رکن بھی رہے، چنانچہ ۱۴۰۵ھ سے لیکر تاحیات جمعیت تحفیظ القرآن الکریم عنیزہ کے سرپرست، ۱۳۹۸ھ سے لیکر ۱۴۰۰ھ تک امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کی مجلس علمی کے رکن، نیز یونیورسٹی کی القصیم برانچ کے کلیۃ الشریعہ کی مجلس کے رکن اور اس کے شعبۂ عقیدہ کے صدر اور ۱۴۰۷ھ سے لیکر تاحیات سپریم علماء کونسل (ھیئۃ کبار العلماء) کے رکن رہے۔

دعوت وارشاد، درس و تدریس اور مختلف اداروں کی رکنیت و سرپرستی کے علاوہ آپ تصنیف و تالیف سے بھی وابستہ رہے، آپ کی علمی و تحقیقی کتابیں ستر (۷۰) سے زیادہ ہیں جن میں بعض کتابیں کئی جلدوں میں ہیں، آپ کی فتاویٰ اور چھوٹے رسائل پر مشتمل مجموعہ بیس (۲۰) جلدوں میں عنقریب طبع ہوکر منظر عام پر آنے والا ہے۔

نصف صدی سے زائد عرصہ تک آپ علم و عقیدہ کی نشر واشاعت کرتے ہوئے ۱۵ شوال ۱۴۲۱ھ بروز جمعرات جدہ اسپتال میں زیر علاج رہتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اسی دن بعد نماز عصر مسجد حرام مکہ مکرمہ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت المعلا میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کی تصنیفات اور دیگر علمی کارناموں سے امت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے، آمین۔

مؤلف موصوف نے اس کتاب میں چند حقوق ذکر کئے ہیں جو تقاضائے فطرت کے موافق اور کتاب وسنت سے ثابت ہیں، ان حقوق کا جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا انسان کیلئے انتہائی ضروری ہے، ان حقوق کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کے حقوق، نبی کریم ﷺ کے حقوق، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، حکام اور رعایا کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، غیر مسلموں کے حقوق۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ قارئین کو فائدہ پہنچائے اور مؤلف، مترجم، ناشر اور جملہ معاونین کو اجر و ثواب سے نوازے، آمین۔

۲۲/ ۳/ ۱۴۲۴ھ ابوالمکرم عبدالجلیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان وسلم تسليماً، أما بعد:

شریعت اسلامی کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں عدل وانصاف کا خیال رکھا گیا ہے اور کسی کمی بیشی کے بغیر ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف، حسن سلوک اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیا ہے، اسی عدل کے ساتھ رسولوں کی بعثت ہوئی، آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور اسی پر دنیا اور آخرت کے امور قائم ہیں۔

عدل یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے اور ہر صاحب منزلت کو اس کا مقام عطا کیا جائے، ظاہر بات ہے کہ حقوق کی معرفت کے بغیر ان کی ادائیگی ممکن نہیں، اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے بعض اہم

حقوق کی وضاحت وبیان کے لئے یہ سطور تحریر کی ہیں، تاکہ بندہ جن حقوق کو جان لے ان پر بقدر استطاعت عمل کرے، کتاب میں مذکور حقوق کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- اللہ تعالٰی کے حقوق

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

۳- والدین کے حقوق

۴- اولاد کے حقوق

۵- رشتہ داروں کے حقوق

۶- میاں بیوی کے حقوق

۷- حکام اور رعایا کے حقوق

۸- پڑوسیوں کے حقوق

۹- عام مسلمانوں کے حقوق

۱۰- غیر مسلموں کے حقوق

انہی حقوق کے بارے میں ہم اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

۱-اللہ تعالیٰ کے حقوق

اللہ تعالیٰ کے حقوق سب سے اہم، سب سے عظیم اور سب سے بڑا فریضہ ہیں، کیونکہ یہ خلاق عظیم، مالک الملک اور جملہ امور کے مدبر اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، اس شہنشاہ برحق، زندہ وجاوید ہستی اور نظام کائنات کے سنبھالنے والے کے حقوق ہیں جس نے آسمان وزمین کو قائم کر رکھا ہے، جس نے ہر شئے کو پیدا کیا اور اپنی حکمت بالغہ سے اس کا اندازہ مقرر فرمایا، یہ اس اللہ کے حقوق ہیں جس نے تمہیں عدم سے وجود بخشا جبکہ تم کوئی قابل ذکر شئے نہ تھے، یہ اس اللہ کے حقوق ہیں جس نے اپنی نعمتوں کے ذریعہ تمہاری پرورش وپرداخت کی جبکہ تم ماں کے شکم میں تین تاریکیوں کے اندر تھے، وہاں کوئی مخلوق تمہارے لئے غذا، نشو ونما اور زندگی کے اسباب ووسائل فراہم نہیں کرسکتی تھی، اللہ نے تمہارے لئے ماں کی چھاتیوں سے خوراک مہیا کی، بھلی بری ہر طرح کی راہ دکھائی، ماں باپ کو تمہاری خدمت کے لئے مسخر کیا، اپنی نعمتوں اور عقل وفہم کے ذریعہ تمہاری مدد کی اور تمہارے اندر ان کو قبول کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ودیعت فرمائی:

﴿وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ النحل:۷۸۔

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکر گزاری کرو۔

اگر اللہ تعالیٰ پل جھپکنے کے برابر بھی اپنا فضل تم سے روک لیتا تو تم ہلاک ہو جاتے، اور اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی رحمت روک لیتا تو تم زندگی سے محروم ہو جاتے، جب تمہارے اوپر اللہ کے فضل و رحمت کا یہ حال ہے تو اس کا حق بھی تمہارے اوپر تمام حقوق سے بڑھ کر ہے، کیونکہ وہ حق وجود بخشنے، صلاحیت عطا کرنے اور مدد فرمانے سے تعلق رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ تم سے روزی اور کھانا نہیں چاہتا (اس کا ارشاد ہے):

﴿لاَ نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى﴾ طہ:۱۳۲۔

ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، اور آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے۔

بلکہ وہ تم سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کرتا ہے جس کا فائدہ خود تم ہی کو حاصل ہوگا، وہ تم سے یہ چاہتا ہے کہ عبادت و بندگی صرف اسی وحدہ لاشریک کی کرو (جیسا کہ اس کا ارشاد ہے):

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ ○ مَا أُرِيدُ مِنهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ○ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ الذاریات:۵۶ تا ۵۸۔

میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تو خود ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔

وہ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم عبودیت کے تمام معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے بندے بن کر رہو، جس طرح کہ وہ ربوبیت کے جملہ معانی کے ساتھ تمہارا رب ہے، تم اس کے سامنے ذلیل، متواضع، اس کے حکموں کی تعمیل کرنے والے، اس کی منع کردہ چیزوں سے دور رہنے والے اور اس کی خبر کی تصدیق کرنے والے بن کر رہو، کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ اس کی نعمتیں تم پر مسلسل نچھاور ہو رہی ہیں، کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ ان نعمتوں کا بدلہ ناشکری سے دو؟

اگر کسی انسان کا تمہارے اوپر کوئی فضل واحسان ہوتا ہے تو کھل کر اس کی الفت یانافرمانی کرنے میں تم شرم محسوس کرتے ہو، تو پھر اپنے اس رب کی نافرمانی کیسے کرتے ہو کہ تمہیں جو بھی نعمت ملی وہ اسی کی طرف سے ہے اور جو بھی مصیبت تم سے دور ہوئی وہ اسی کی رحمت سے دور ہوئی؟

﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾ النحل:۵۳۔

تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی اللہ کی دی ہوئی ہیں، اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جو حقوق بندوں پر واجب کئے ہیں وہ اس شخص پر بہت ہی آسان ہیں جس پر اللہ انہیں آسان فرمادے، کیونکہ اللہ نے ان میں کسی طرح کا کوئی حرج یا تنگی یا مشقت نہیں رکھی ہے، اس کا ارشاد ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ

وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ الحج:۷۸۔

اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، اپنے باپ ابراہیم کا دین قائم رکھو، اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی، تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ، پس تمہیں چاہئے کہ نماز قائم رکھو اور زکاۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے، پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔

یہ حقوق درحقیقت ایک افضل ترین عقیدہ، ایمان برحق اور ثمر آور عمل صالح ہے، یہ وہ عقیدہ ہے جس کی بنیاد محبت وتعظیم پر ہے اور اس کا ثمرہ اخلاص اور صبر ہے۔

ایک دن اور رات میں پانچ وقت کی نمازیں ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے، درجات بلند کرتا ہے اور دلوں کی اور حالات کی اصلاح

فرماتا ہے، بندہ حسب استطاعت اس نماز کی ادائیگی کرتا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ التغابن:١٦۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

نیز حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بیماری لاحق تھی تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

"صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ"(۱)

کھڑے ہو کر نماز پڑھو، کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو اور بیٹھ بھی نہ سکو تو کروٹ کے بل لیٹ کر پڑھو۔

اور زکاۃ کی ادائیگی ہے جو آپ کے مال کا ایک معمولی حصہ ہے جسے آپ مسلمانوں کی ضرورت کے لئے نکالتے ہیں، یعنی فقیروں، مسکینوں، مسافروں، قرضداروں اور دیگر مستحقین زکاۃ کو ادا کرتے ہیں۔

اور سال میں ایک ماہ کا روزہ رکھنا ہے، اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو اسے دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرنی ہے، اور جو شخص کسی دائمی

(۱) صحیح بخاری، کتاب ابواب تقصیر الصلاۃ، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب، حدیث (۱۱۱۷)

معذوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو اسے ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

اور طاقت رکھنے والے پر زندگی میں ایک مرتبہ بیت اللہ الحرام کا حج کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی یہی بنیادیں ہیں، اور جو کچھ ان کے علاوہ ہے وہ کسی وقتی سبب سے واجب ہوتا ہے، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، یا واجب کر دینے والے اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً مظلوم کی مدد کرنا۔

میرے بھائی! غور کرو کہ عمل کے اعتبار سے یہ حق کتنا آسان ہے، لیکن اجر میں کتنا بڑا ہے، اگر آپ اس کی کما حقہ ادائیگی کر لے جائیں تو دنیا و آخرت میں سعادت سے ہمکنار ہوں گے، جہنم سے نجات پائیں گے اور جنت سے سرفراز کئے جائیں گے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلاَّ مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ آل عمران:۱۸۵۔

پس جو شخص جہنم سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو بیشک وہ کامیاب ہوگیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

۲-رسول اللہ ﷺ کے حقوق

رسول اللہ ﷺ کے حقوق مخلوق کے حقوق میں سب سے زیادہ عظیم ہیں، آپ کے حقوق سے بڑھ کر کسی بھی مخلوق کا کوئی حق نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ○ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ الفتح:۸،۹۔

یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور ان کا ادب کرو۔

اس لئے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام لوگوں کی محبت پر مقدم ہو، یہاں تک کہ آدمی کے اپنے نفس، اپنی اولاد اور ماں باپ کی محبت سے بھی بڑھ کر ہونی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ"(۱)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

نبی ﷺ کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ آپ کی توقیر کی جائے، آپ کا ادب واحترام کیا جائے اور کسی بھی افراط و تفریط سے بچ کر آپ کے شایان شان آپ کی تعظیم کی جائے، آپ کی زندگی میں آپ کی توقیر آپ کی سنت اور آپ کی ذات مبارک کا احترام کرنا تھا، اور وفات کے بعد آپ کی توقیر آپ کی سنت اور شریعت حقہ کا احترام کرنا ہے، جو شخص صحابۂ کرام کی اللہ کے رسول ﷺ کے لئے توقیر و تعظیم کا منظر دیکھ لے اسے معلوم ہو جائے گا کہ فضلائے صحابہ کی ہستیاں رسول اللہ ﷺ کے حقوق کا کس قدر اہتمام کرتی

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، حدیث (۱۵) و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ اکثر من الاھل والولد والناس اجمعین...... حدیث (۴۴)

تھیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش نے عروہ بن مسعود کو نبی ﷺ سے صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا تو عروہ نے قریش میں واپس جاکر یہ کہا کہ میں شاہان کسریٰ وقیصر اور نجاشی کے پاس بھی جاچکا ہوں، لیکن کسی بھی بادشاہ کے پیروکاروں کو وہ تعظیم کرتے نہیں دیکھا جو تعظیم محمد کی ان کے صحابہ کرتے ہیں، ان کا حال تو یہ ہے کہ جب وہ حکم دیتے ہیں تو ان کے صحابہ حکم کی تعمیل کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، جب وضو کرتے ہیں تو وہ بچے ہوئے پانی کے حصول کے لئے اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا کہ مرنے مارنے پر تیار ہیں، محمد جب گفتگو فرماتے ہیں تو وہ دم بخود ہو کر ان کی بات سنتے ہیں اور مارے تعظیم کے ان کی جانب نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے لئے صحابۂ کرام کی یہ تعظیم تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں اخلاق کریمانہ، نرمی اور سہل پسندی ودیعت فرمائی تھی، اور اگر آپ سخت دل اور سخت زبان ہوتے تو لوگ آپ سے دور ہو جاتے۔

نبی ﷺ کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ماضی اور مستقبل کے جن واقعات کی خبر دی ہے ان کی تصدیق کی جائے، جس بات کا حکم دیا ہے

اس کی تعمیل کی جائے، جس سے روکا اور منع کیا ہے اس سے اجتناب کیا جائے اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ آپ کا طریقہ کامل ترین اور آپ کی شریعت اعلیٰ ترین ہے، پھر آپ کی شریعت پر کسی بھی قانون یا نظام کو ترجیح نہ دی جائے چاہے وہ کہیں سے بھی صادر ہوا ہو۔

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ النساء:٦٥۔

سو قسم ہے آپ کے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ آل عمران:۳۱۔

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود

اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

نبی ﷺ کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی طاقت بھر حالات کے تقاضے کے مطابق آپ کی شریعت و سنت کا دفاع کرے، دشمن اگر دلائل اور شبہات کے ذریعہ حملہ آور ہے تو اس کا مقابلہ علم سے کیا جائے اور اس کے دلائل و شبہات کو توڑ کر اور ان کا فساد و بطلان واضح کر کے کیا جائے، اور اگر وہ جدید اسلحہ اور ٹینکوں کے ذریعہ حملہ آور ہے تو اس کا مقابلہ اسی جیسے ساز و سامان سے کیا جائے۔

کسی مومن کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی شخص کو نبی ﷺ کی شریعت یا آپ کی ذات مبارک پر حملہ کرتے ہوئے سنے اور دفاع کی طاقت رکھتے ہوئے بھی خاموش رہے۔

۳- والدین کے حقوق

اولاد پر والدین کے فضل واحسان سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، والدین ہی اس کے وجود میں آنے کا سبب ہیں اور اس پر ان کے عظیم حقوق ہیں، انہوں نے بچپن میں اس کی پرورش کی، اس کی راحت و آسائش کے لئے ہمیشہ مشقتیں اٹھائیں اور اس کی نیند کے لئے خود اپنی نیند قربان کردی۔

ماں نے تمہیں اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا، تم ماں ہی کی غذا اور صحت پر تقریباً نو ماہ تک پلتے اور نشو و نما پاتے رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے:

﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ﴾ لقمان: ۱۴۔

اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا۔

اس کے بعد مشقت و پریشانی کے ساتھ گود کی پرورش اور رضاعت کا مرحلہ دو برس تک نبھایا۔

اسی طرح باپ بھی تمہاری روزی روٹی کے لئے تمہارے بچپن سے لیکر بڑے ہونے تک دوڑ دھوپ کرتا رہا اور تمہاری تربیت اور رہنمائی کی بھرپور کوشش کرتا رہا، جبکہ تم اپنے لئے کسی نفع نقصان کا شعور نہیں رکھتے

تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اولاد کو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شکر گزاری کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ لقمان: ۱۴۔

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ الاسراء: ۲۳، ۲۴۔

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی

اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔ اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسے ہی رحم کر جیسے انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

تم پر والدین کا یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، یعنی قولی اور عملی طور پر، مال کے ذریعہ اور جسم کے ذریعہ ان کے ساتھ احسان کرو، جب تک اللہ کی معصیت اور تمہارا نقصان نہ ہو ان کا کہا مانو، ان سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرو، ان سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ، ان کے شایان شان ان کی خدمت کرو، بڑھاپے یا بیماری یا کمزوری کے وقت ان سے تنگ دل نہ ہو اور نہ ہی ان کی جانب سے بوجھ محسوس کرو، کیونکہ بعد میں تم بھی انہی کے مقام پر ہو گے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ ہیں اسی طرح تم بھی باپ بنو گے، جس طرح وہ تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچے ہیں اگر زندگی رہی تو تم بھی اسی طرح اپنی اولاد کے سامنے بڑھاپے کو پہنچو گے، جس طرح وہ تمہاری

خدمت کے ضرورتمند ہیں اسی طرح تم بھی اپنی اولاد کی خدمت کے ضرورتمند ہو گے، اگر تم نے والدین کی خدمت گزاری کی ہے تو اللہ سے عظیم اجر وثواب کی اور اپنی اولاد سے اسی کے مثل بدلہ کی خوشخبری لو، کیونکہ جو اپنے والدین کی خدمت کرتا ہے اس کی اولاد بھی اس کی خدمت کرتی ہے، اور جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے اس کی اولاد بھی اس کی نافرمانی کرتی ہے، بدلہ عمل کی جنس ہی سے ہوتا ہے، جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے حق کو بہت بڑا اور اونچا مقام ومرتبہ عطا کیا ہے، چنانچہ اپنے حق کے معاً بعد جو کہ رسول اللہ ﷺ کے حق کو بھی شامل ہے، والدین کے حق کا تذکرہ کیا ہے، فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ النساء:٣٦۔

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اور فرمایا:

﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ لقمان:١٤۔

تم میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کرو، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

نیز نبی کریم ﷺ نے والدین کی خدمت و اطاعت کو اللہ کی راہ میں جہاد پر مقدم کیا ہے، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا، میں عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: والدین کی اطاعت کرنا، میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (۱)

مذکورہ دلائل والدین کے حقوق کی اہمیت پر دلالت کرتے ہیں، جسے آج بہت سے لوگوں نے ضائع کر دیا ہے اور نافرمانی و قطع رحمی کا رویہ اختیار کر لیا ہے، چنانچہ آپ بعض لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اوپر اپنے باپ یا ماں کا کوئی حق نہیں جانتے، بلکہ بسا اوقات انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان پر اپنی برتری جتاتے ہیں، ایسے لوگ اپنے کرتوت کا بدلہ جلد یا دیر سے ضرور پالیں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ لوقتھا، حدیث (۵۲۷) وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال، حدیث (۸۵)

۴-اولاد کے حقوق

اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں، اولاد کے حقوق بہت زیادہ ہیں، جن میں سے ایک بہت اہم حق ان کی تربیت ہے، تربیت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد کے دلوں کو دین واخلاق سے معمور کردیا جائے تاکہ ان کے اندر دین واخلاق کا وافر حصہ موجود رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ التحریم:۶۔

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" (۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، حدیث (۸۹۳) و صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر...... حدیث (۱۸۲۷)

تم سب کے سب نگراں ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی، آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اپنی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

غرضیکہ اولاد والدین کے ذمہ امانت ہیں اور والدین سے قیامت کے دن ان کے بارے میں باز پرس ہو گی، اولاد کی دینی واخلاقی تربیت کر کے ہی والدین اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتے ہیں اور اولاد کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اولاد جب صالح ہو گی تو دنیا و آخرت میں والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ الطور:۲۱۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ"(۱)

جب بندہ مر جاتا ہے تو اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین قسم کے عمل (کا ثواب) جاری رہتا ہے، صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے اس کے بعد بھی فائدہ اٹھایا جائے، یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

یہ اولاد کی بہترین تعلیم وتربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد بھی وہ ان کے لئے نفع بخش ہوتی ہے۔

بہت سے والدین نے اس حق کو معمولی سمجھ کر اپنی اولاد کو ضائع کر دیا ہے اور انہیں اس طرح فراموش کر دیا ہے کہ گویا ان سے متعلق ان پر کوئی ذمہ داری ہی نہیں، وہ کبھی یہ دریافت نہیں کرتے کہ وہ کہاں گئے؟ کب واپس آئے؟ ان کے دوست احباب کون ہیں؟ وہ انہیں نہ تو کسی خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور نہ کسی شر سے منع کرتے ہیں۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الوصیہ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ حدیث (۱۶۳۱)

ایسے لوگ اپنے مال کی محافظت، نشو و نما اور اس کی دیکھ بھال میں تگ ودو کرنے کے انتہائی حریص ہوتے ہیں، جبکہ عموماً اس مال کی نشو و نما اور دیکھ بھال وہ دوسروں ہی کے لئے کرتے ہیں، لیکن اولاد کو ان کے یہاں یہ اہتمام حاصل نہیں ہوتا، جبکہ ان کی محافظت زیادہ ضروری اور دنیا و آخرت دونوں جہان میں زیادہ نفع بخش ہے۔ جس طرح ایک باپ پر یہ واجب ہے کہ خورد و نوش کے ذریعہ بچے کو جسمانی غذا اور اس کے بدن کو لباس فراہم کرے، اسی طرح اس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ بچے کے دل کو علم و ایمان کی غذا فراہم کرے اور اس کی روح کو تقویٰ کا لباس پہنائے، اسی میں خیر و بھلائی ہے۔

اولاد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ باپ مناسب طریقے سے ان پر خرچ کرے، اس میں نہ فضول خرچی ہو نہ کوتاہی، یہ باپ پر اولاد کا ایک واجبی حق ہے اور اللہ کے عطا کردہ مال کی نعمت کی شکر گزاری بھی ہے، باپ اپنی زندگی میں مال جمع کرنے کے لئے اولاد پر خرچ کرنے سے کیسے ہاتھ روک کر رکھتا ہے اور ان پر بخل کرتا ہے، جبکہ وہ اس کے مرتے ہی سارا مال زبردستی لے لیتے ہیں؟ اگر وہ ان کے حق میں بخل سے کام لیتا ہے تو انہیں اختیار ہے کہ وہ باپ کے مال سے اتنا لے لیں جتنا معتدل طریقہ سے ان کی ضرورت کے لئے کافی ہو، جیسا کہ ہند بنت عتبہ کو رسول اللہ ﷺ نے اس کا فتویٰ دیا تھا۔

اولاد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ باپ بخشش وعطیہ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے، یعنی ایسا نہ کرے کہ ایک بچہ کو کچھ دے اور دوسرے کو نہ دے، کیونکہ یہ ایک طرح کا ظلم وجور ہے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا، اور اس لئے بھی کہ یہ ناانصافی محروم رہنے والوں کے لئے نفرت کا باعث ہوگی اور ان کے اور مال پانے والوں کے درمیان عداوت و دشمنی پیدا کرے گی، بلکہ اس سے خود ان کے اور باپ کے درمیان بھی عداوت و دشمنی پیدا ہوسکتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کا کوئی بچہ دیگر بچوں کے بمقابل والدین کے ساتھ حسن سلوک اور فرمانبرداری میں ممتاز ہوتا ہے تو وہ فرمانبرداری کے عوض اسے خصوصی بخشش وعطیہ سے نوازتے ہیں، لیکن یہ چیز تخصیص کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتی، کیونکہ جو فرمانبرداری میں ممتاز ہو اسے فرمانبرداری کے عوض کچھ دینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کی فرمانبرداری کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور اس لئے بھی کہ فرمانبردار کو خصوصی عطیہ سے نوازنا اس بات کا موجب ہے کہ وہ اپنی فرمانبرداری پر مغرور ہو جائے اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنے لگے، اور دوسرا بچہ نفرت کا شکار ہو جائے اور نافرمانی میں بڑھ جائے، پھر ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ مستقبل میں کیا ہوگا، ممکن ہے حالات بدل جائیں اور فرمانبردار بچہ نافرمان ہو جائے اور

نافرمان بچہ فرمانبردار بن جائے، کیونکہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے باپ بشیر بن سعد نے انہیں ایک غلام ہبہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع دی، تو آپ نے فرمایا: "کیا تم نے اپنے ہر بچہ کو اسی طرح غلام ہبہ کیا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، آپ نے فرمایا: "پھر اس غلام کو واپس کرلو"[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو"[2] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اس عطیہ پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا"[3] چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے درمیان بعض کو بعض پر ترجیح

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الھبہ، باب الھبۃ للولد، حدیث (۲۵۸۶) و صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبہ (۱۶۲۳/۹)

(۲) صحیح بخاری، کتاب الھبہ، باب الاشھاد فی الھبۃ، حدیث (۲۵۸۷) و صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبہ (۱۶۲۳/ ۱۳)

(۳) صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب لایشھد علی شھادۃ جور اذا اشھد حدیث (۲۶۵۰) و صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبہ (۱۶۲۳/ ۱۴)

دینے کو ظلم سے تعبیر کیا، اور ظلم حرام ہے۔

لیکن اگر کسی باپ نے اپنے کسی بچہ کو کوئی ایسی چیز دیدی جس کا وہ ضرورتمند تھا اور دوسرا بچہ اس چیز کا ضرورتمند نہیں تھا، مثلاً ایک بچہ مدرسہ کے سامان (قلم، دوات اور کاپی وغیرہ) کا یا علاج کا یا شادی کا ضرورتمند تھا، تو اس بچہ کی ضرورت کی تکمیل میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ تخصیص ضرورت کے پیش نظر ہے، لہٰذا وہ نان و نفقہ کے حکم میں ہو گی۔

باپ اپنی اولاد کے تعلق سے تعلیم و تربیت اور نان و نفقہ کی ذمہ داری پوری کر دے، تو وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کی اولاد کو اس کی فرمانبرداری اور اس کے حقوق کی نگہداشت کی توفیق مل جائے، اس کے برخلاف اگر باپ اپنی اولاد کے حقوق میں کمی اور کوتاہی کرتا ہے تو وہ سزا کا حقدار ہے، یعنی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اولاد بھی اس کے حق کا انکار کر دے اور وہ بدلے کے طور پر اولاد کی نافرمانی کی سزا میں گرفتار ہو جائے، مثل مشہور ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

۵-رشتہ داروں کے حقوق

آپ کے ہر قریبی رشتہ دار جیسے بھائی، چچا، ماموں اور ان سب کی اولاد نیز ہر رشتہ دار کا حسب قرابت آپ پر حق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ﴾ الاسراء:۲۶۔

رشتہ داروں کا (اور مسکینوں اور مسافروں کا) حق ادا کرتے رہو۔

نیز فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى﴾ النساء:۳۶۔

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں سے بھی......۔

لہٰذا ہر شخص پر ضروری ہے کہ وہ معروف طریقے سے اپنی معاشرتی حیثیت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے رشتہ داروں کو مالی اور بدنی فائدہ پہنچا کر حسب قرابت اور حسب ضرورت ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے، شریعت، عقل اور فطرت کا یہی تقاضا ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی ترغیب میں کثرت سے احادیث وارد ہیں، چنانچہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ، حَتّٰى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ فَقَالَتْ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ، فَقَالَ اللّٰهُ : نعم، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى، قَالَ: فَذٰلِكَ لَكِ"

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، جب ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے والے کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، کیا تجھے پسند نہیں کہ جو تجھے جوڑے اسے میں بھی جوڑے رکھوں اور جو تجھے توڑے اسے میں بھی توڑ دوں؟ رحم نے جواب دیا: ہاں کیوں نہیں، فرمایا: پس یہ تمہارے لئے ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھو:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾ محمد:۲۲، ۲۳۔

تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے، پس اللہ نے ان کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔(۱)

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ"(۲)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے۔

بہت سے لوگ اس حق کو ضائع کر چکے ہیں یا ان کی ادائیگی میں کوتاہی

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث (۵۹۸۷) و صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتھا، حدیث (۲۵۵۴)

(۲) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف و خدمتہ ایاہ بنفسہ، حدیث (۶۱۳۸)

کرتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگ مال وزر، حیثیت اور حسن اخلاق کسی بھی ذریعہ سے صلہ رحمی نہیں کرتے، ہفتے اور مہینے گزر جاتے ہیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو نہ دیکھتے ہیں، نہ ان کی زیارت وملاقات کو جاتے ہیں، نہ انہیں کوئی تحفہ بھیج کر محبت بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی حاجت وضرورت پوری کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات اپنے قول سے یا اپنے فعل سے یا قول وفعل دونوں سے انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں، یا پھر دور کے رشتہ داروں سے تعلق رکھتے ہیں اور قریبی رشتہ داروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

بعض دوسرے لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر ان کے رشتہ داران سے تعلق رکھتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں تو یہ بھی صلہ رحمی کرتے ہیں، اور اگر وہ قطع تعلقی کرتے ہیں تو یہ بھی ان سے قطع تعلقی کر لیتے ہیں، ایسا شخص حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا نہیں، بلکہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینے والا ہے، جیسا کہ عام لوگوں سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ حقیقی معنوں میں صلہ رحمی کرنے والا شخص وہ ہے جو اللہ کی رضا کے لئے صلہ رحمی کرے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کے رشتہ دار اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہے ہیں یا نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا"(۱)

صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے، بلکہ حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع تعلقی کی جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔

نیز ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے بعض رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلقی کرتے ہیں، میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ صبر و بردباری کا برتاؤ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں، اس کی بات سن کر نبی ﷺ نے فرمایا:

"لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ"(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافئ، حدیث (۵۹۹۱)

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتھا، حدیث (۲۵۵۸)

> اگر تم واقعی ویسے ہی ہو جیسا کہ بتا رہے ہو تو گویا تم انہیں گرم راکھ کھلا رہے ہو (یعنی ذلیل و رسوا کر رہے ہو) اور جب تک تم اپنی اس حالت پر باقی رہو گے تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک مددگار (فرشتہ) مقرر رہے گا۔

صلہ رحمی کا اگر صرف اتنا ہی فائدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والے کو دنیا اور آخرت میں (اپنے ساتھ) ملائے رکھے، اس کے نتیجہ میں اس پر اپنی رحمت کا فیضان کر دے، اس کے معاملات آسان اور اس کی مشکلات دور فرما دے تو یہی کیا کم ہے، جبکہ اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی سے خاندان میں قربت و مودت بڑھتی ہے، وہ آپس میں مہربانی کا برتاؤ اور مشکلات میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور اس سے خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ سب کے تجربہ میں ہے اور سب کو معلوم ہے، لیکن قطع تعلقی اور افتراق و انتشار کی صورت میں یہ سارے فائدے معدوم ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے دوری اور بغض پیدا ہوتا ہے۔

۶-میاں بیوی کے حقوق

شادی کے اہم نتائج و ثمرات اور بڑے بڑے تقاضے ہیں، یہی شادی میاں بیوی کے درمیان وہ رابطہ ہے جو دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق یعنی بدنی حقوق، اجتماعی حقوق اور مالی حقوق کا پابند بناتا ہے۔

لہٰذا میاں بیوی پر واجب ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارے، انتہائی نرمی اور مہربانی کے ساتھ اس کے حقوق کو ادا کرے اور کسی ناگواری اور ٹال مٹول کا رویہ نہ اپنائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ النساء:۱۹۔

اور ان (بیویوں) کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ البقرہ:۲۲۸۔

اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں

اچھائی کے ساتھ، ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اسی طرح عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے وہ سب کچھ کرے جو اس پر واجب ہے، میاں بیوی میں سے ہر ایک جب دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرے گا تو ان کی زندگی باسعادت اور خوشگوار ہوگی، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو ان کے درمیان اختلاف ونزاع پیدا ہوگا اور ہر ایک کی زندگی مکدر ہو کر رہ جائے گی۔

عورت کے حالات کی رعایت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ عورت کا ہر اعتبار سے کامل ہونا ایک محال بات ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اسْتَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ مَا يَكُونُ فِي الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوصُوا بِالنِّسَاءِ"(۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریتہ، حدیث (۳۳۳۱) وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث (۱۴۶۸/۶۰)

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے، اب اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو تو توڑ دو گے، اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو کجی (تو) باقی رہے گی (مگر کام چلتا رہے گا) لہٰذا عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَلَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ، فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا، وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا"(۱)

عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، یہ کبھی بھی تمہارے لئے ایک معیار پر نہیں رہ سکتی، اب اگر اس کی کجی (ٹیڑھے پن) کے ساتھ ہی اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو فائدہ اٹھاؤ، ورنہ اگر اس کو سیدھا کرنے لگو تو اسے توڑ دو گے، اور اس کا توڑنا طلاق ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث (۱۴۶۸/۵۹)

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقاً رَضِيَ مِنْهَا خُلُقاً آخَرَ"(۱)

ایک مومن کسی مومنہ عورت (بیوی) کو برا نہ سمجھے، اگر وہ اس کی کسی عادت سے ناخوش ہے تو اس کے دوسرے اخلاق سے خوش رہے۔

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی فرمائی ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کس طرح سلوک کرے، نیز یہ کہ جس قدر ہو سکے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، کیونکہ اس کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ ہر اعتبار سے معیار پر پوری نہیں اترتی، بلکہ اس کے اندر کجی اور کمی کا پایا جانا لازمی ہے، اور شوہر اس کی طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ ان احادیث میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ آدمی کو عورت کی خوبیوں اور خامیوں کے درمیان موازنہ کرنا چاہئے، اگر وہ اس کی کسی عادت سے ناخوش ہے تو اس کی دوسری اچھی اور خوش کن عادات واطوار سے اس کا مقارنہ و موازنہ کرے، صرف ناراضگی اور ناپسندیدگی کی عینک سے بیوی کو دیکھنا ٹھیک نہیں ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث (۱۴۶۹)

بہت سے لوگ اپنی بیویوں سے ہر اعتبار سے مکمل معیار کا مطالبہ کرتے ہیں، جو ایک ناممکن امر ہے، اور اسی وجہ سے وہ تنگی و کدورت کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی بیویوں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے، بلکہ بسا اوقات نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا ، وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا“

اور اگر اس کو سیدھا کرنے لگو تو اسے توڑ دو گے، اور اس کا توڑنا طلاق ہے۔

لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ وہ نرمی برتے اور جب تک دین یا شرافت کے منافی بات نہ آئے عورت کے تصرفات سے چشم پوشی کرتا رہے۔

بیوی کے حقوق شوہر پر:

شوہر پر بیوی کا ایک حق یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے کھانے پینے، لباس و پوشاک اور گھر نیز اس سے متعلق دیگر اخراجات کی ذمہ داری ادا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

البقرہ: ۲۳۳۔

اور باپ کے ذمہ ان (بیویوں) کے معروف طریقے سے خوراک اور لباس کے اخراجات ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“

اور تمہارے ذمہ تمہاری بیویوں کے معروف طریقے سے خوراک اور لباس کی فراہمی ہے۔

نیز نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

”أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلاَ تُقَبِّحْ، وَلاَ تَهْجُرَ إِلاَّ فِي الْبَيْتِ“(۱)

جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اور اس

---

(۱) سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث (۲۱۴۲) وسنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، حدیث (۱۸۵۰) البانی نے مشکاۃ المصابیح کی تحقیق (۲/ ۹۷۲) میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

کے چہرہ پر نہ مارو، نہ اسے برا بھلا کہو، اور نہ ہی اسے الگ کر کے گھر کے علاوہ کہیں اور چھوڑو۔

شوہر پر بیوی کا ایک حق یہ ہے کہ وہ اس کے درمیان اور اس کی سوکن کے درمیان انصاف کرے، یعنی اگر اس کے پاس دوسری بیوی بھی ہے تو نان و نفقہ (خرچ) اور گھر دینے میں اور رات گزارنے میں نیز ہر ممکن چیز میں دونوں کے درمیان انصاف سے کام لے، کیونکہ کسی ایک بیوی کی طرف مائل ہو جانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ، فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ“(۱)

جس کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

---

(۱) سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، حدیث (۲۱۳۳) سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، حدیث (۱۱۴۱) و سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب القسمۃ بین النساء، حدیث (۱۹۶۹) البانی نے صحیح الجامع (۶۵۱۵) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

البتہ جن امور میں انصاف کرنا ممکن نہ ہو، مثلاً محبت اور راحت نفس، تو اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ یہ اس کی استطاعت سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ النساء:۱۲۹۔

تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی بیویوں میں ہر طرح سے انصاف کرو، اگرچہ تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کرو۔

نیز رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان انصاف کے ساتھ باری تقسیم کرتے اور یہ کہتے تھے:

"اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلاَ تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلاَ أَمْلِكُ"(۱)

اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے بس میں ہے، پس جس چیز کا

---

(۱) سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، حدیث (۲۱۳۴) سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، حدیث (۱۱۴۰) وسنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب القسمۃ بین النساء، حدیث (۱۹۷۱)

تو مالک ہے اور وہ میرے اختیار میں نہیں اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔

لیکن اگر کوئی شخص ایک بیوی کی رضامندی سے دوسری بیوی کے پاس رات گزارنے کو ترجیح دے لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کے حصہ میں خود ان کی باری بھی رکھتے تھے اور حضرت سودہ کی باری بھی جو انہوں نے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دی تھی۔

نیز مرض الموت کے وقت رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ "میں کل کہاں رہوں گا، میں کل کہاں رہوں گا" یہ سن کر تمام ازواج مطہرات نے آپ کو یہ اختیار دیدیا کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، چنانچہ آپ حضرت عائشہ کے گھر منتقل ہو گئے اور وفات تک انہی کے پاس رہے۔(۱)

شوہر کے حقوق بیوی پر:

جہاں تک بیوی پر شوہر کے حقوق کی بات ہے تو یہ حقوق شوہر پر بیوی کے حقوق سے بڑھ کر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب اذا استاذن الرجل نساءہ، حدیث (۵۲۱۷) و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فی فضل عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حدیث (۲۴۴۳)

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ البقرہ:۲۲۸۔

اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ، ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

مرد عورت پر حاکم ہے، وہی اس کے مصالح کی دیکھ بھال اور اس کی توجیہ وتربیت اور صحیح رہنمائی کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ النساء:۳۴۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

بیوی پر شوہر کا ایک حق یہ ہے کہ جب تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو وہ اس کی اطاعت کرتی رہے اور اس کے پوشیدہ رازوں اور مال کی حفاظت کرے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَوْ كُنْتُ آمِراً أَحَداً أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا"(۱)

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

"إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَأَبَتَ أَنْ تَجِيءَ، فَبَاتَ عَلَيْهَا غَضْبَانَ، لَعَنَتْهَا الْمَلاَئِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ"(۲)

جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور یہ آنے سے انکار

---

(۱) سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث (۲۱۴۰) وسنن ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث (۱۱۵۹) ترمذی نے کہاہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، اور البانی نے صحیح الجامع (۵۲۹۴) میں اسے صحیح قرار دیاہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب اذا باتت المرأۃ مهاجرۃ فراش زوجها، حدیث (۵۱۹۳) وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم امتناعها فی فراش زوجها، حدیث (۱۴۳۶/ ۱۲۲)

کردے، پھر آدمی ناراضگی کی حالت میں رات گزارے، تو فرشتے
صبح ہونے تک اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں۔

بیوی پر شوہر کا ایک حق یہ ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہو سکے، چاہے وہ نفل عبادت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"لاَ يَحِلُّ لاِمْرَأَةٍ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ، وَلاَ تَأْذَنُ لأَحَدٍ فِي بَيْتِهِ إِلاَّ بِإِذْنِهِ"(۱)

کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ رکھے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں کسی کو آنے دے۔

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کی رضامندی کو بیوی کے لئے دخول جنت کا ایک سبب قرار دیا ہے، چنانچہ امام ترمذی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا تاذن المرأۃ فی بیت زوجها لاحد الا باذنه، حدیث (۵۱۵۹) و صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ما انفق العبد من مال مولاہ، حدیث (۱۰۲۶)

"أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ"(۱)

جو عورت اس حال میں انتقال کرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی وخوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔

(۱) سنن ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث (۱۱۶۱) وسنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأۃ، حدیث (۱۸۵۴) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۷- حکام اور رعایا کے حقوق

حکام سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے امور و معاملات کے ذمہ دار ہوں، خواہ یہ ذمہ داری عام ہو، جیسے ملک کا سربراہ اعلیٰ، یا خاص ہو، جیسے کسی مخصوص ادارے یا مخصوص کام کا سربراہ، ان سب کے کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی رعایا کے لئے ضروری ہے، اسی طرح خود ان پر رعایا کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

رعایا کے حقوق حکام پر:

حکام پر رعایا کا ایک حق یہ ہے کہ حکام وہ امانت درست طریقہ سے ادا کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سونپی ہے اور جس کی ادائیگی کا انہیں پابند کیا ہے، یعنی رعایا کی خیر خواہی کرنا اور انہیں اس درست راہ پر لے چلنا جو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کی ضامن ہے، اور یہ چیز اہل ایمان کے منہج کی پیروی سے حاصل ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کا منہج تھا، اور اسی میں حکام کی اور ان کے ماتحت رعایا کی سعادت و بھلائی ہے، یہی طریقہ کار حکام کے لئے رعایا کی خوشی حاصل کرنے کا، دونوں کے مابین خوشگوار تعلقات کا، رعایا کے لئے حکام

کے احکام کے پابند ہونے کا اور حکام کو جو ذمہ داری سونپی گئی ہے اس کی ادائیگی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا لوگ بھی اس کا لحاظ رکھیں گے، اور جو اللہ کو خوش رکھے گا اللہ اس کے لئے لوگوں کی طرف سے پیش آنے والے غموں سے کافی ہو جائے گا اور لوگوں کو اس سے خوش کر دے گا، کیونکہ بندوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔

حکام کے حقوق رعایا پر:

رعایا پر حکام کے حقوق یہ ہیں کہ ان کی طرف سے جن معاملات کی ذمہ داری رعایا میں سے کسی شخص کو سونپی جائے ان میں وہ ان کی خیر خواہی کرے، وہ غفلت کا شکار ہوں تو لوگ ان کو یاددہانی کرائیں، حق سے بھٹکیں تو ان کی اصلاح کی دعا کریں اور جب تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو ان کی اطاعت کرتے رہیں، کیونکہ اسی سے معاملات بہتر اور منظّم رہ سکتے ہیں، اس کے برخلاف ان کی مخالفت اور نافرمانی سے انارکی اور بدنظمی پیدا ہو گی اور معاملات بگڑ جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا وہیں حکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ﴾النساء:۵۹۔

اے ایمان والو!اللہ کی فرمانبر داری کرو اور رسول کی فرمانبر داری کرو اور جو تم میں اختیار والے (حکام) ہیں ان کی بھی (فرمانبر داری کرو)

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلاَّ أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ“[1]

مسلمان پر حکام کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا واجب ہے، جو بات اسے پسند ہو اس میں بھی اور جو ناپسند ہو اس میں بھی، الا یہ کہ اسے معصیت کا حکم دیا جائے، جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ اسے حاکم کی بات سننا ہے اور نہ اس کی اطاعت کرنا ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب السمع والطاعۃ للامام، حدیث (۲۹۵۵) و صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمھا فی المعصیۃ، حدیث (۱۸۳۹)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، پھر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے "الصلاۃ جامعۃ" کہہ کر آواز لگائی، آواز سن کر ہم سب رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

"إِنَّهُ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلاَّ كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَإِنَّ أُمَّتَكُمْ هَذِهِ جُعِلَتْ عَافِيَتُهَا فِي أَوَّلِهَا، وَسَيُصِيبُ آخِرَهَا بَلاَءٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ يُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا، تَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ: هَذِهِ مُهْلِكَتِي، وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ: هَذِهِ هَذِهِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ، وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمْرَةَ قَلْبِهِ فَلْيُطِعْهُ إِنِ

اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَهُ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ"(۱)

اللہ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا اس پر یہ واجب تھا کہ اپنی امت کو ہر اس خیر کی تعلیم دیدے جو اسے معلوم ہے، اور انہیں ہر اس شر سے ڈرادے جو اسے معلوم ہے، اور تمہاری اس امت کی عافیت اس کے اولین طبقہ میں تھی، اور اس امت کا آخری طبقہ مصیبت و بلاء اور عجیب و غریب حالات سے دوچار ہوگا، فتنے رونما ہوں گے اور بعض فتنے (اپنی شدت کی وجہ سے) دوسرے فتنوں کو ہلکا کر دیں گے، فتنہ پیدا ہوگا تو مومن کہے گا کہ اسی میں اس کی ہلاکت ہے، پھر دوسرا فتنہ ظاہر ہوگا تو کہے گا کہ اس میں ہلاکت ہے، پس جسے یہ پسند ہو کہ وہ جہنم سے بچالیا جائے اور جنت سے نواز دیا جائے اسے چاہیئے کہ اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں سے ایسا معاملہ کرے جیسا معاملہ وہ خود اپنے لئے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء الاول فالاول، حدیث (۱۸۴۴)

پسند کرتا ہے، اور جس نے کسی امام سے بیعت کرلی اور اسے اپنا ہاتھ اور اپنے دل کا پیمان دیدیا تو وہ اپنی طاقت بھر اس کی اطاعت کرے، اگر کوئی دوسرا شخص آکر تنازع کھڑا کرے تو دوسرے کی گردن ماردو۔

نیز ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی! بتائیں کہ اگر ہمارے اوپر ایسے حکام مسلط ہو جاتے ہیں جو ہم سے تو اپنے حقوق کا مطالبہ کریں مگر ہمارے حقوق ادا نہ کریں تو ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ یہ سوال سن کر آپ نے اس شخص سے اعراض فرمالیا، اس نے پھر یہی سوال دہرایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ"(۱)

تم ان کی بات سنتے اور ان کی اطاعت کرتے رہو، کیونکہ ان پر جو ذمہ داری ہے وہ اس کے لئے جوابدہ ہیں، اور تم پر جو ذمہ داری ہے تم اس کے لئے جوابدہ ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فی طاعۃ الامراء وان منعوا الحقوق، حدیث (۱۸۴۶)

رعایا پر حکام کا ایک حق یہ ہے کہ رعایا اہم معاملات میں اپنے حکام کا ساتھ دے، بایں معنیٰ کہ ان کے ذمہ جو کام لگایا جائے ان کی تنفیذ میں ان کا تعاون کرے اور ہر شخص معاشرے کے تعلق سے اپنی ذمہ داری اور اپنا کردار اچھی طرح پہچانے تاکہ تمام معاملات مناسب طریقے سے انجام پائیں، اس لئے کہ جب تک رعایا اپنے حکام کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ان کا تعاون نہ کرے اس وقت تک معاملات درست طریقے سے نہیں چل سکتے۔

۸- پڑوسی کے حقوق

پڑوسی وہ شخص ہے جس کا گھر آپ کے گھر سے قریب ہو، پڑوسی کا آپ پر بہت بڑا حق ہے، اگر وہ نسب کے اعتبار سے بھی آپ کا قریبی ہے اور وہ مسلمان بھی ہے تو اس کے تین حقوق بنتے ہیں: پڑوس میں رہنے کا حق، قرابتداری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ اور اگر مسلمان ہے لیکن نسب کے اعتبار سے قریبی نہیں تو اس کے دو حق ہیں: پڑوس میں رہنے کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ اور اگر قرابتدار ہے لیکن مسلمان نہیں تو اس کے بھی دو حق ہیں: پڑوس میں رہنے کا حق اور قرابتداری کا حق۔ اور اگر قرابتدار نہیں ہے اور مسلمان بھی نہیں ہے تو اس کا صرف ایک حق ہے اور وہ ہے پڑوس میں رہنے کا حق، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ النساء:۳۶۔

......اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور قرابتدار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ بھی۔

نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ"(۱)

جبرئیل (علیہ السلام) مجھے برابر پڑوسی کے بارے میں تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ سمجھا کہ اسے بھی وارث بنادیں گے۔

پڑوسی کا پڑوسی پر ایک حق یہ ہے کہ وہ مال سے، اپنی معاشرتی حیثیت سے اور کسی بھی طرح کا فائدہ پہنچا کر اس کے ساتھ حتی المقدور احسان کرے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"خَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ"(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الوصاۃ بالجار، حدیث (۶۰۱۴، ۶۰۱۵) و صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ، حدیث (۲۶۲۴، ۲۶۲۵)

(۲) سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث (۱۹۴۴) مسند احمد ۲/۱۶۷، مسند عبد بن حمید، حدیث (۳۴۲) الادب المفرد للبخاری، حدیث (۱۱۵) صحیح ابن خزیمہ، حدیث (۲۵۳۹) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، اور البانی نے اسے صحیح الجامع (۳۲۷۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

اللہ کے نزدیک سب سے اچھا پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے سب سے بڑھ کر اچھا ہو۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

”مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ“ (۱)

جس کا اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

نیز فرمایا:

”إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ“ (۲)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، حدیث (۶۰۱۹) و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار والضیف ولزوم الصمت، حدیث (۴۸)

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ، حدیث (۲۶۲۵، ۱۴۲)

جب سالن (شوربہ) پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کر دو اور اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کر لو۔

پڑوسی کے ساتھ احسان کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اسے مواقع کی مناسبت سے ہدیے پیش کئے جائیں، کیونکہ ہدیہ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور رنجش و عداوت دور ہوتی ہے۔

پڑوسی کا پڑوسی پر ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اسے زبانی اور عملی اذیت سے محفوظ رکھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنْ، وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنْ، وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنْ“ فَقَالُوا: مَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ”اَلَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ“(۱)

اللہ کی قسم! مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! مومن نہیں ہو سکتا، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کون؟ فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

اور ایک حدیث میں ہے:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لایامن جارہ بوائقہ، حدیث (۶۰۱۶)

"لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لاَيَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ"(۱)

وہ شخص جنت میں نہیں جاسکتا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

لہٰذا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو وہ نہ تو مومن ہے اور نہ ہی جنت میں جاسکتا ہے۔

آج بہت سے لوگ پڑوس کے حق کا خیال نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے پڑوسی ان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ ان کے درمیان ہمیشہ لڑائی جھگڑا، اختلاف، حق تلفی اور قول و فعل کے ذریعہ ایذارسانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، حالانکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور مسلمانوں کے باہمی انتشار، دلوں کی نفرت و دوری اور ایک دوسرے کی عزت و ناموس کو نقصان پہنچانے کا باعث ہے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار، حدیث (۴۶)

۹-عام مسلمانوں کے حقوق

یہ حقوق بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی ﷺ کی اس صحیح حدیث میں ثابت ہیں:

”حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ، وَإِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ“(۱)

مسلمان پر مسلمان کے چھ حق ہیں: جب اس سے ملو تو اسے سلام کرو، جب وہ تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے نصیحت (مشورہ) طلب کرے تو اسے صحیح مشورہ دو، جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو (یرحمک اللہ کہہ کر) اس کی چھینک کا جواب دو، جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ اور

(۱) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حدیث (۲۱۶۲) اسے بخاری نے بھی ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، البتہ اس میں چھ کے بجائے پانچ حقوق کا ذکر ہے، دیکھئے: کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز، حدیث (۱۲۴۰)

جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔

اس حدیث میں مسلمانوں کے کئی باہمی حقوق بیان ہوئے ہیں:

پہلا حق: سلام کرنا ہے، سلام سنت مؤکدہ ہے اور مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت کا ایک سبب بھی ہے، جیسا کہ اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس پر نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

"وَاللّٰهِ لاَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا ، وَلاَ تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا ، أَفَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِشَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ"(۱)

اللہ کی قسم! تم جنت میں نہیں جا سکتے یہاں تک کہ مومن بن جاؤ، اور مومن نہیں بن سکتے یہاں تک کہ آپس میں محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں کہ اگر اسے کرنے لگو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون وان محبۃ المؤمنین من الایمان، حدیث (۵۴)

رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ جس سے ملتے اسے سلام کرنے میں پہل کرتے، بچوں کے پاس سے آپ کا گزر ہوتا تو آپ ان پر بھی سلام کہتے تھے۔

سنت یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو، تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو اور سواری والا پیدل چلنے والے کو سلام کرے، لیکن اس حق کا ذمہ دار فریق اگر اس سنت پر عمل نہ کرے تو دوسرے کو اس پر عمل کر لینا چاہئے، تاکہ سلام کی سنت ضائع نہ ہو، مثلاً اگر چھوٹے نے سلام نہ کیا تو بڑا ہی کر لے، اسی طرح اگر چھوٹی جماعت نے سلام نہ کیا تو بڑی جماعت ہی کر لے تاکہ اجر و ثواب سے بہرہ مند ہو۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے تین خصلتیں جمع کر لیں اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا: اپنے نفس سے انصاف کرنا، عالم سے سلام کرنا اور تنگدستی کے باوجود صدقہ کرنا۔

سلام کی ابتدا کرنا اگر سنت ہے تو اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگوں نے جواب دیدیا تو باقی لوگوں کی طرف سے کفایت کر جائے گا، چنانچہ اگر کسی جماعت پر سلام کیا گیا اور اس کے کسی ایک فرد نے جواب دیدیا تو یہ باقی لوگوں کی طرف سے بھی کافی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾النساء:٨٦۔

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو، یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔

سلام کا جواب دینے میں صرف "اہلاً و سہلاً" کہہ دینا کافی نہیں، کیونکہ یہ جملہ نہ تو سلام کے مسنون الفاظ سے بہتر ہے اور نہ ہی ان کے مثل ہے، اس لئے جب کوئی "السلام علیکم" کہے تو جواب میں "وعلیکم السلام" کہنا ہوگا، اور جب کوئی "اہلاً" کہے تو اس کے جواب میں اسی کے مثل "اہلاً" کہے، لیکن اگر سلام کا اضافہ کر دے تو افضل ہے۔

دوسرا حق: مسلمان کا مسلمان پر دوسرا حق یہ ہے کہ جب وہ آپ کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کریں، یعنی جب وہ آپ کو کھانے پر یا کسی اور چیز پر اپنے گھر مدعو کرے تو اس کی دعوت قبول کرلیں، دعوت قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ اس سے دعوت دینے والے کی دلجوئی ہوتی ہے اور الفت و محبت پیدا ہوتی ہے، البتہ دعوت ولیمہ اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ چند معروف شرائط کے ساتھ یہ دعوت واجب ہے، اس لئے کہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ لَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ"(۱)

جس نے ولیمہ کی دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: "جب وہ تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو" شاید یہ ارشاد اس دعوت کو بھی شامل ہے جو مساعدت اور تعاون طلب کرنے کے لئے ہو، آپ اس دعوت کو قبول کرنے کے بھی مکلّف ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کسی چیز کے اٹھانے یا اتارنے یا اسی قسم کے کسی اور کام میں آپ کو مدد کے لئے بلائے تو آپ پر اس کی مدد کرنا ضروری ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً"(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ، حدیث (۱۴۳۲،۱۱۰) بخاری نے بھی اسی معنی کی حدیث روایت کی ہے، دیکھئے: کتاب النکاح، باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ، حدیث (۵۱۷۷)

(۲) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، حدیث (۲۴۴۶) وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم وتعاضدھم، حدیث (۲۵۸۵)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی مانند ہے جس کا بعض حصہ بعض حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے۔

تیسرا حق: مسلمان کا مسلمان پر تیسرا حق یہ ہے کہ جب وہ آپ سے مشورہ و خیر خواہی کا طالب ہو تو اسے صحیح رہنمائی کریں، یعنی جب وہ آپ کے پاس آکر کسی معاملے میں مشورہ طلب کرے تو اسے صحیح مشورہ دیں، کیونکہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"الدِّينُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ"(۱)

دین خیر خواہی کا نام ہے اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلم حکام کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔

لیکن اگر وہ آپ کے پاس آکر آپ سے مشورہ نہ طلب کرے، تو وہ جو کام کرنے جارہا ہے اگر اس میں اس کے لئے نقصان یا گناہ ہے تو بھی اس کی

(۱) صحیح بخاری تعلیقاً، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: الدین النصیحۃ، ص (۳۵) طبع بیت الافکار الدولیۃ، و صحیح مسلم مرفوعاً بروایت تمیم الداری، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، حدیث (۵۵)

صحیح رہنمائی کر دینا آپ پر واجب ہے بھلے وہ آپ کے پاس نہ آیا ہو، کیونکہ اس کا تعلق مسلمانوں سے نقصان دہ اور منکر امور کو دور کرنے سے ہے، اور اگر اس کام میں اس کے لئے کوئی نقصان یا گناہ کی بات نہیں لیکن آپ کی نگاہ میں کوئی دوسرا کام اس سے بہتر ہے، تو ایسی صورت میں آپ کے لئے اظہار رائے ضروری نہیں، الا یہ کہ وہ آپ سے مشورہ کا طالب ہو تو صحیح مشورہ دینا واجب ہوگا۔

چوتھا حق: مسلمان کا مسلمان پر چوتھا حق یہ ہے کہ جب اسے چھینک آئے اور وہ "الحمد للہ" کہے تو چھینک پر اس کی اللہ کی حمد وثنا کی شکر گزاری کے طور پر آپ اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، لیکن اگر وہ "الحمد للہ" نہ کہے تو اس کو جواب حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ جب اس نے اللہ کی تعریف نہیں کی تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی چھینک کا جواب بھی نہ دیا جائے۔

چھینکنے والا "الحمد للہ" کہے تو اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا فرض ہے، اسی طرح اس پر بھی واجب ہے کہ جواب دینے والے کے جواب میں کہے "يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" یعنی اللہ تمہیں ہدایت عطا

فرمائے اور تمہارے حالات سنوار دے۔ اگر اسے مسلسل چھینک آئے اور آپ جواب میں تین بار "یرحمک اللہ" کہہ دیں تو چوتھی بار "یرحمک اللہ" کی بجائے کہیں "عافاک اللہ" یعنی اللہ تمہیں عافیت دے۔

پانچواں حق: مسلمان کا مسلمان پر پانچواں حق یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کو جائیں، عیادت کا مطلب ہے زیارت کے لئے جانا، مریض کی عیادت کرنا اس کا مسلمانوں پر ایک حق ہے اور اس کی ادائیگی ان پر واجب ہے، آپ پر مریض کا قرابتداری یا دوستی یا پڑوس میں رہنے کے باعث جس قدر زیادہ حق ہوگا اس کی عیادت بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہوگی۔

عیادت مریض کے اور اس کے مرض کے حسب حال کی جائے گی، بعض اوقات میں حالات کا تقاضا ہوگا کہ مریض کی عیادت بار بار کی جائے، جبکہ بعض اوقات میں حالات کا تقاضا یہ ہوگا کہ کم سے کم عیادت کی جائے، لہٰذا مریض کے احوال کی رعایت کرنا بہتر ہے۔

سنت یہ ہے کہ عیادت کرنے والا مریض کا حال دریافت کرے، اس کے لئے دعا کرے اور اس سے آسانی اور امید کے پہلو سے بات کرے، یہ صحت اور شفایابی کے اہم ترین اسباب میں سے ہے، اسی طرح عیادت کرنے

والے کو چاہئے کہ مریض کو توبہ کی یاددہانی ایسے اچھے انداز سے کرائے کہ وہ خوفزدہ نہ ہو جائے، مثلاً یہ کہے کہ یہ بیماری آپ کے لئے خیر کا باعث ہے، کیونکہ بیماریوں کو اللہ تعالیٰ گناہوں کا کفارہ بنادیتا اور برائیوں کو مٹادیتا ہے، اس لئے آپ اس بیماری میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا واستغفار کر کے زیادہ سے زیادہ اجر وثواب حاصل کر لیں۔

چھٹا حق: مسلمان کا مسلمان پر چھٹا حق یہ ہے کہ جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان جائے، جنازے کے ساتھ چلنا مسلمان پر مسلمان کے حقوق میں سے ہے اور اس میں بہت بڑا اجر وثواب ہے، نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

”مَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ، قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ ؟ قَالَ: مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ“(۱)

جو جنازے کے ساتھ چلے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے تو

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن، حدیث (۱۳۲۵) وصحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاۃ علی الجنازۃ واتباعھا، حدیث (۹۴۵)

اس کے لئے ایک قیراط ثواب ہے، اور جو دفن کرنے تک اس کے ساتھ رہے اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے، عرض کیا گیا کہ دو قیراط سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دو بڑے پہاڑوں کے برابر۔

ساتواں حق: مسلمان کا مسلمان پر ساتواں حق یہ ہے کہ وہ اسے تکلیف نہ پہنچائے، مسلمانوں کو ایذا پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾ الاحزاب:۵۸۔

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو، وہ (بڑے ہی) بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

ویسے اکثر ہوتا یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی پر اذیت کے ساتھ مسلط ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے آخرت سے پہلے دنیا ہی میں انتقام لے لیتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ

إِخْوَاناً، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُه وَلاَ يَخْذُلُهُ وَلاَ يَحْقِرُهُ، بِحَسْبِ امْرِيءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ"(۱) .

آپس میں بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اور اے اللہ کے بندو! باہم بھائی بھائی بن کر رہو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہ کرے، نہ اسے بے یار ومددگار چھوڑے اور نہ اس کو حقیر جانے، آدمی (کی ہلاکت) کے لئے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت سب کچھ حرام ہے۔

غرضیکہ مسلمان پر مسلمان کے حقوق بہت زیادہ ہیں، لیکن ان تمام حقوق کا خلاصہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے لیا جا سکتا ہے:

---

(۱) صحیح بخاری مختصراً، کتاب الادب، باب ما نھی عن التحاسد والتدابر، حدیث (۶۰۶۵) وباب الھجرۃ، حدیث (۶۰۷۶) وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ، حدیث (۲۵۶۴)

"الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ"

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

مسلمان اگر اس اخوت اسلامی کی پاسداری کرے تو وہ دوسرے مسلمان کے لئے ہر خیر و بھلائی کی جستجو میں رہے گا اور اس کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز سے اجتناب کرے گا۔

۱۰- غیر مسلموں کے حقوق

غیر مسلم کا لفظ تمام کفار کو شامل ہے، اور ان کی چار قسمیں ہیں: (۱) حربی (۲) مستامن (۳) معاہد (۴) ذمی۔

حربی کافر کی حمایت یا رعایت و خبر گیری کا مسلمانوں پر کوئی حق نہیں۔

مستامن کا مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ ان کیلئے جس وقت اور جگہ کی تحدید کر دی گئی ہے، مسلمان ان کی حفاظت کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ التوبہ:۶۔

اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی جائے امن تک پہنچادو۔

اور معاہد کا حق یہ ہے کہ جب تک وہ ہم سے کئے ہوئے عہد کی مکمل پاسداری کرتے رہیں اور اس کی خلاف ورزی نہ کریں، نہ ہمارے خلاف کسی دشمن کی مدد کریں اور نہ ہی ہمارے دین میں طعن و تشنیع کریں، تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مقررہ مدت تک ان سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ التوبہ: ۴۔

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا، نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے، تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو، بیشک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو پسند فرماتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لاَ أَيْمَانَ لَهُمْ﴾ التوبہ: ۱۲۔

اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ، ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں۔

جہاں تک ذمی کی بات ہے، تو مذکورہ چاروں قسموں میں ان کے مسلمانوں پر اور مسلمانوں پر ان کے حقوق سب سے زیادہ ہیں، کیونکہ یہ جزیہ دیکر مسلمانوں کے ملک میں اوران کی حمایت وحفاظت میں زندگی گزارتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے حاکم پر واجب ہے کہ ذمیوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کے بارے میں اسلامی احکام نافذ کرے، اور یہ جس چیز کی حرمت کے قائل ہوں اس کے ارتکاب کی صورت میں ان پر حد قائم کرے، ساتھ ہی اس پر یہ بھی واجب ہے کہ ان کی حمایت وحفاظت کرے اور ان کو تکلیف نہ پہنچنے دے۔

دوسری جانب ذمیوں پر یہ واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے لباس سے ہٹ کر اپنا مخصوص لباس استعمال کریں اور کسی ایسی چیز کا اظہار نہ کریں جو مذہب اسلام میں ناپسندیدہ اور غلط ہو، اسی طرح وہ اپنے کسی مذہبی شعار جیسے ناقوس یا صلیب وغیرہ کا بھی اظہار نہ کریں۔ ذمیوں کے احکام اہل علم کی کتابوں میں مذکور ہیں، ہم یہاں اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔

والحمد لله رب العالمين، وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

فہرست

موضوعات	صفحہ
عرض مترجم	۳
مقدمہ از مؤلف	۷
شریعت کے مقرر کردہ فطری حقوق	۸
۱-اللہ تعالیٰ کے حقوق	۹
۲-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق	۱۶
۳-والدین کے حقوق	۲۱
۴-اولاد کے حقوق	۲۶
۵-رشتہ داروں کے حقوق	۳۳
۶-میاں بیوی کے حقوق	۳۹
۷-حکام اور رعایا کے حقوق	۵۲
۸-پڑوسیوں کے حقوق	۵۹
۹-عام مسلمانوں کے حقوق	۶۴
۱۰-غیر مسلموں کے حقوق	۷۶
۱۱-فہرست مضامین	۷۹

حقوق دعت إليها الفطرة وقررتها الشريعة

تأليف فضيلة الشيخ

محمد بن صالح العثيمين

رحمه الله

ترجمة

أبو المكرّم بن عبد الجليل

طبع تحت إشراف
المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بسلطانة
تحت إشراف وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد
شارع السويدي العام - ص.ب ٩٢٦٧٥ الرياض ١١٦٦٣
هاتف : ٤٢٤٠٠٧٧ - ناسوخ : ٤٢٥١٠٠٥

أردو - ٢١٦

حقوق دعت إليها الفطرة وقررتها الشريعة

تأليف فضيلة الشيخ

محمد بن صالح العثيمين

رحمه الله

ترجمة

أبو المكرم عبد الجليل

ردمك : ٠ - ١٨ - ٨٧٦ - ٩٩٦٠

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بسلطانة

تحت إشراف وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد

Sultanah22@hotmail.com

شركة الراجحي المصرفية حساب رقم

Cooperative office for Call & foreigners Guidance at Sulta